اقبالؒ کا مردِ مومن

ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

منہاج القرآن پبلیکیشنز

اقبال کا مردِ مومن

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز
365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695
www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اِقبال کا مردِ مومن
خطاب	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	محمد اِلیاس اَعظمی (منہاجین)، ضیاء نیر
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل	:	جنوری 1997ء (5,000)
اِشاعتِ دُوُم	:	اکتوبر 2005ء (1,100)
اِشاعتِ سوُم	:	ستمبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت	:	-/30 روپے

ISBN 969-32-0660-6

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / وِیڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَاےَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	حرف آغاز	۷
۲	اقبال کا مرد مومن	۹
۳	فکر اقبال کے تین بنیادی عناصر	۱۰
۴	مرد مومن قرآن کی نظر میں	۱۲
۵	انسان کامل اور نفس کے سات مراحل	۱۸
	i۔ پہلا مرحلہ	۱۸
	ii۔ دوسرا مرحلہ	۱۸
	iii۔ تیسرا مرحلہ	۱۹
	iv۔ چوتھا مرحلہ	۱۹
	v۔ پانچواں مرحلہ	۲۰
	vi۔ چھٹا مرحلہ	۲۰
	vii۔ ساتواں مرحلہ	۲۱
۶	عبد کی تین قسمیں	۲۳
	i۔ عبد آبق	۲۳
	ii۔ عبد رقیق	۲۴
	iii۔ عبد ماذون	۲۴
۷	مرد مومن کے خدوخال کلام اقبال کی روشنی میں	۲۵
	i۔ پیکر عشق	۲۶
	ii۔ پیکر یقین	۲۸
	iii۔ پیکر استغناء	۳۰
	iv۔ مقصود کائنات	۳۲
	v۔ بندہ مولا صفات	۳۳

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
٣٦	vi۔ طائر لاہوت	
٣٧	ایک دلچسپ بصیرت افروز تاریخی واقعہ	
٣٨	vii۔ صاحب تقدیر	
٤١	viii۔ مرد مومن کا بننے کا گر	

حرف آغاز

آج جب کہ زمان و مکان کی پہنائیاں سمٹ کر یہ کرہ ارضی ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اور یہ دنیا تمام تر ترقی کے باوجود جبر و استبداد کے آہنی شکنجے میں جکڑی جارہی ہے۔ نام نہاد ورلڈ آرڈر کی آڑ میں انسانی قدریں بری طرح پامال کی جارہی ہیں اور محکوم و مقہور انسانوں پر شرق تا غرب خوں ریزی ' سفاکی اور زبردست آزادی کے وہ حربے آزمائے جارہے ہیں کہ ہلاکو اور چنگیز خاں کی روحیں بھی تڑپ اٹھی ہونگی۔ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ تمام عالم اسلام پر ایک ہلاکت آفریں ' بے حسی ' جمود اور بے بسی کی کیفیت چھائی ہوئی ہے۔ کشمیر ' فلسطین ' چیچنیا اور بوسنیا میں خون مسلم کی ارزانی اور نسل کشی کے مناظر جو عالمی ذرائع ابلاغ کی بدولت کسی سے ڈھکے چھپے نہیں مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو جنجھوڑنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں اور ہر طرف

حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

کی سی صورت حال کا سامنا ہے امت مسلم کی ذلت و رسوائی پر کسی کی رگ غیرت و حمیت نہیں پھڑکتی۔

اس گھمبیر اندوہناک فضا میں جبکہ امت مسلمہ ہمہ گیر زوال کی انتہاؤں کو چھونے لگی ہے شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال کی انقلابی فکر کو عام کرنے کی ضرورت جتنی آج محسوس ہو رہی ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ متحدہ برصغیر کے مسلمانوں میں علامہ نے اپنی انقلابی فکر اور شاعری کے ذریعے جس طرح بیداری کی نئی روح پھونک دی اور جداگانہ مسلم قومیت کے نظریہ کو ان کے رگ و پے میں اتار کر اس تصور کو حقیقت کے قالب میں ڈھالنے کے لئے قائداعظم کی ولولہ انگیز اور ناقابل شکست قیادت فراہم کرنے میں ایک اہم ناقابل فراموش کردار ادا کیا وہ تحریک پاکستان

کا ایک انتہائی تابناک باب ہے۔

ذہنی، فکری اور سیاسی انتشار کے اس مادہ پرستانہ دور میں جب کہ جدیدیت اور روشن خیالی کے نام پر نوجوان نسل میں تشکیک اور لادینیت (سیکولرازم) پر مبنی نظریات وخیالات کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا دی جا رہی ہے۔ علامہ اقبال کے پیغام کی روح سے نئی پود کو آشنا کرنا وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ اس پیغام کی ایک جھلک ان کے اس آفاقی شعر

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

کے آئینے میں اجمالی طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

محترم قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خطاب "اقبال کا مرد مومن" جسے مدون کر کے اس کتابچے کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ کے فکر انگیز پیغام کو ان کے کلام کی روشنی میں اجاگر کرنے کی ایک بلیغ اور مستحسن کوشش ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ تحریک منہاج القرآن سے وابستہ خواتین و حضرات اور دیگر قارئین کرام اس مقالے کے مندرجات کا مطالعہ کماحقہ غور و توجہ سے کریں گے تاکہ وہ مرد پیغام اقبال پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہو سکیں۔

ضیاء نیر
خادم تحریک منہاج القرآن
۳۶۵۔ ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

اقبال کا مرد مومن

مرد مومن کا وہ تصور جو ہمیں حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے دیا ہے اسے کماحقہ، سمجھنے کے لئے اس زاویہ نگاہ کو دیکھنا ہوگا جسے انہوں نے اختیار کیا اور انتہائی بلیغ انداز میں قرآن حکیم کی اصطلاح "القوی الامین" کی ترجمانی کرتے ہوئے اسے "مرد جلیل" سے موسوم کیا ہے۔ یعنی در خصت سے ہمکنار دیکھتے ہیں تو بے ساختگی سے اسے اپنا مرد مومن قرار دینے لگتے ہیں۔

یوں تو اپنے زاویہ ہائے نگاہ کے مطابق اہل فکر و نظر اور صاحبان علم و دانش نے اس مرد جلیل کا تصور اور اس کا نقشہ ذہن و خیال میں بٹھانے اور جمانے کی کوشش اپنے اپنے انداز میں کی اور اس ضمن میں یونانی دیومالائی "انسانی دیوتا" کا تصور "مرد جلیل" ہی کی جلالت و شوکت کو آشکار کرنے کے لئے دیا گیا۔ اسی طرح نٹشے نے بھی سپرمین سے ایک انسان اعلیٰ کا تصور پیش کیا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اقبالؒ کا مرد مومن جس سطوت اور عظمت کا مظہر ہے یونانی علماء اور نٹشے کے پیش کردہ تصورات اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

یہاں یہ بات غور و فکر اور توجہ کی متقاضی ہے کہ دوسرے اہل دانش کے ہاں مافوق الانسان کے باب میں جو صفائی تضاد، تناقص و تنافر دکھائی دیتا ہے اقبال کا مرد مومن اس متضاد و متناقض صفات کا جامع ہے۔ جب وہ مرد مومن ان صفات کا حامل ہو کر انسان کامل کا روپ دھار لیتا ہے۔ تو پھر نیابت الٰہی کے اس منصب سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ جس کو اقبالؒ نے اپنے کلام میں "نائب حق" کا خطاب دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است
ہستی او ظل اسم اعظم است

ذات او توجیہ ذات عالم است
از جلال او نجات عالم است

علامہ کے بے شمار اشعار ہیں جنہیں خوف طوالت سے یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا لیکن ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسے وہ اپنا مرد مومن قرار دے رہے ہیں وہ بیک وقت تاجدار و سلطان بھی ہے اور درویش بھی ہے' غنی بھی ہے اور شان استغناء کا حامل فقیر بھی' رہبر بھی ہے اور رفیق بھی' امام و مقتداء بھی اور غلام و مقتدی بھی' وہ مرد آزاد بھی ہے اور مرد اسیر بھی' بوریا نشین بھی ہے اور فضاؤں میں محو پرواز بھی' خادم بھی ہے اور مخدوم بھی خاکی و فرشی بھی ہے اور نوری و عرشی بھی' ناسوتی بھی ہے اور لاہوتی بھی وہ مرد مومن خود حقیقت کا متلاشی بھی ہے۔

اقبال" کا نائب حق کا تخیل جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے نٹشے کے سپرمین "مافوق الانسان" سے یکسر مختلف ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ خود فرماتے ہیں۔

میں نے یہ خیال نٹشے سے نہیں لیا بلکہ تصوف کا انسان کامل آج سے بیس سال قبل میرے پیش نظر رہا ہے۔ انگریزوں کو اپنے ایک ہم وطن فلسفی الیگزنڈر کے خیالات کا مطالعہ کرنا چاہئے لیکن ہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ الیگزنڈر کے خیال میں "حقیقت منتظر" ایک خدائے ممکن الوجود کی شکل میں جلوہ گر ہوگی۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ شان الٰہی ایک برتر انسان کے قالب میں جلوہ گر ہو کر رہے گی۔

فکر اقبال کے تین بنیادی عناصر

اگر ہم اس امر کی توجیہ کرنا چاہیں کہ وہ تصور مرد مومن جو اقبال" نے پیش کیا اسے کوئی اور اس انداز سے کیوں نہیں پیش کر سکا تو اس تجزیے کی تہ میں تین بنیادی عوامل کارفرما نظر آئیں گے جسے ہم فکر اقبال کے تین بنیادی عناصر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اولا:۔ اقبالؒ نے اپنے تمام تر تصورات کی عمارت قرآن مجید سے اخذ کردہ مفاہیم پر استوار کی ہے۔ اس کی فکر کا سرچشمہ بلاخوف تردید قرآن ہی ہے جس کا اظہار اس نے اپنے اشعار میں کئی مقامات پر کیا ہے ایک جگہ اس نے بہت بڑی بات کہہ دی جو صرف اقبالؒ ہی کہہ سکتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

گر دلم آئینہ بے جو راست
در بحرفم غیر قرآں مضمر است
اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بنندہ "مافی الصدور"
پردہ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم
اہل ملت را نگہدار از شرم
روز محشر خوار ورسوا کن سرا
بے نصیب ازبوسہ پا کن مرا

ثانیاً:۔ اقبالؒ نے اپنے فکر کی آبیاری ارشادات نبوی ﷺ کے چشمے سے کی اس کی تمام تفصیلات وجزئیات احادیث رسول مقبول ﷺ سے متعین وماخوذ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کامل کے لئے وہ "عشق مصطفیٰ ﷺ "کو ایک ناگزیر شرط قرار دیتے ہیں اوران کے خیال میں یہی عشق افراد ملت کو ایک نقطہ وحدت پر جمع کرسکتا ہے اور منتشر شرازہ قوم کو ایک نظم میں سمو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحروبر در گوشہ دامان اوست
روح را جز عشق او آرام نیست
عشق او روزیست کو را شام نیست

ثالثاً:۔ اقبالؒ نے ان معارف اور لطائف و حقائق سیکھنے کے لئے شیخ رومیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا ہے اپنی مثنوی اسرار خودی "اور رموز بخودی" جن میں مثنوی مولانا رومؒ کا تتبع کیا گیا ہے وہ اس فیض کا اعتراف ان اشعار میں کرتے ہیں۔

این قدر نظارہ ام بے تاب شد
بال و پر بشکست و آخر خواب شد
روئے خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرف پہلوی قرآں نوشت
گفت اے دیوانہ ارباب عشق
جرعہ گیراز شراب تاب عشق
بر جگر ہنگامہ محشر بزن
شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن
آشنائے لذت گفتار شو
اے درائے کارواں بیدار سو

قرآن و حدیث اور مثنوی مولانا رومؒ کے امتزاج نے اقبالؒ کے مرد مومن کو وہ انفرادیت، عظمت اور ندرت عطاء کردی ہے جو ہمیں کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ قرآن کے تناظر میں دیکھا جائے تو اقبالؒ کا مرد مومن قرآن کا انسان مرتضی ہے اس انسان کامل کو قرآن نے نفس کاملہ اور عبد ماذون کا بھی نام دیا ہے۔

مرد مومن قرآن کی نظر میں

قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت مرد مومن کا جو تصور بیان کیا ہے اور اس کی جو صفات گنوائی ہیں ان کے بوقلموں حسن و جمال کے مظاہر اور تجلیات کو یکجا کرلیا جائے اور ان کو مجتمع کر کے ایک پیکر کمال ترتیب دیا جائے تو قرطاس

تخیل پر اقبال" کے مرد مومن کا سراپا ابھرتا ہے۔ بدیہی طور پر جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں فکر اقبال کا منبع و سرچشمہ حقیقت میں قرآن ہی ہے اپنے مرد مومن کی تعریف علامہ اقبال" ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اقبال کا یہ شعر سن کر بے ساختہ ہماری نگاہ قرآن کی اس آیہ کریمہ پر پڑتی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (الفتح ۲۹:۴۸)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے اور سجدہ کرتے اور اپنے رب کا فضل اور رضا چاہتے ہوئے۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد مومن کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہیں اللہ کے رسول محمد ﷺ کی معیت اور فیض صحبت حاصل ہو گیا اور جنہوں نے صحبت مصطفوی سے مستفیض و مستفید ہو کر اپنی سیرت و کردار کو سنوار لیا۔ اس کیفیت سے بہرہ ور ہو کر باطل کے خلاف معرکہ آرا ہوتے وقت فولاد صفت بن جاتے ہیں لیکن حریم خلوت میں اپنے ہم نشینوں کے ساتھ ہوں تو وہ پیکران مروت و محبت بن کر ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ بارگاہ محبوب میں ہوں تو ذاکر و ساجد بنے ہوئے ہمہ وقت رضائے حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ انہی چار اوصاف کو اقبال نے اپنے مندرجہ بالا شعر میں سمو دیا ہے۔ چنانچہ یہ مرد حق جہاں ایک طرف شدت و صلابت کا پیکر اتم نظر آتا ہے تو دوسری طرف کمزور، بے بسوں، مظلوموں اور بے سہارا افراد معاشرہ کو انسانی

شرف و عظمت سے ہمکنار کرنے کے لئے وہ ترحم تواضع اور توافق کا پیکر اتم بن جاتا ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی

التکبر علی المتکبر صدقة وفی روایة عبادة

تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر صدقہ اور ایک روایت کے مطابق عبادت ہے۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس '۱:۱۰۱۱)

کی رو سے متکبرین کے حق میں متکبر بن جاتا ہے۔ اقبال" کا یہ مرد مومن جب جاہ و منصب کے ان پجاریوں کے سامنے آتا ہے جن کی گردنیں دنیا کی جھوٹی نام و نمود کے نشے میں اکڑی رہتی ہیں اور ان کی جبینیں بارگاہ رب جلیل میں نہیں جھکتیں تو وہ ان کے رعونیت و تکبر کے بتوں کو پاش پاش کرنے کے لئے خود شدید اور قوی بن جاتا ہے اور جب تک وہ کمزوروں' مجبوروں اور بے بسوں کو ذلت و رسوائی کی زندگی سے نجات دلا کر ان کے عظمت و شرف انسانی کو بحال نہیں کر دیتا اسے چین نہیں آتا۔ وہ پیکر تواضع و انکساری ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

من تواضع للہ رفع اللہ

جو اللہ کے لئے جھک جاتا ہے اللہ اسے سربلند کر دیتا ہے۔

(کنز الاعمال '۳:۵۷۳۰)

یہاں مرد مومن کے کردار کا ایک دوسرا رخ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا

(الفرقان '۲۵:۶۴)

وہ اللہ کے بندے ساری رات اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کی حالت میں گزار دیتے ہیں۔

مرد مومن جہاں دن کے ہنگامے زندگی کی ہماہمی اور جدوجہد میں مصروف گزارتا ہے وہ راتوں کو اپنا بیشتر وقت اپنے مولا کو منانے کے لئے تڑپنے پھڑکنے' رونے دھونے اور رکوع و سجود کی حالت میں بسر کرتا ہے جب وہ کارگاہ حیات میں مصروف عمل ہوتا ہے تو وہ عارضی دنیوی مفاد' حرص و طمع اور جاہ و ہوس کو پرکاہ کی اہمیت نہیں دیتا

اور ہمہ وقت اس کے سامنے ایک ہی مقصود و مطلوب اور ایک ہی منزل ہوتی ہے اور وہ بنوائے ارشاد قرآنی "رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" رضائے الٰہی کی منزل ہے جو کسی لمحہ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔

دنیا و آخرت کی کوئی متاع اسے اللہ کی رضا سے زیادہ محبوب نہیں۔ قرآن نے مرد مومن کی جو تعریف ہمارے سامنے رکھی ہے وہ وَيَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا کے الفاظ سے عیاں ہو جاتی ہے کہ مومن کی ساری جدوجہد محض اس لئے ہے کہ اسے اللہ کی رضا نصیب ہو جائے۔

قرآن مجید اس تصور کی مزید توضیح ان الفاظ کے ذریعے فرمایا ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (اللیل ۹۲: ۱۹-۲۱)

اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے اور وہ اپنا مال دیتا ہے صرف اپنے رب کی رضا کی خاطر جو سب سے بلند ہے اور ضرور عنقریب راضی ہو گا۔

اس آیہ کریمہ کے مفہوم سے پتہ چلا کہ مرد مومن اپنا تن من دھن حتی کہ اپنی متاع حیات سب کچھ کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ فقط رضائے الٰہی کے لئے لٹا دیتا ہے۔ اس کا جینا مرنا اسی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہے۔ وہ جو ساری دنیاوی خواہشات کو ٹھکرا کر اپنا محور حیات رضائے الٰہی کو ٹھہراتا ہے اسے اس کے صلے میں یہ مژدہ جاں فزا بارگاہ ایزدی کی طرف سے سنا دیا جاتا ہے کہ اے میرے بندے سن! نہ صرف تیری زندگی میں رب کی رضا تیرے شامل حال ہو گی اور تو فقط راضی برضائے مولا ہی نہ ہو گا بلکہ اس سے بڑھ کر تجھے اس مقام پر فائز کر دیا جائے گا کہ ہر قدم پر تیرا رب تجھ سے راضی ہو گا اور بقول اقبال" وہ خودی کے اس درجے پر ہو گا۔

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس بندہ مومن کے سینے پر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (خدا ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے) کا تمغہ آویزاں کر دیا جاتا ہے۔ جب مرد مومن

رَاضِیَۃً اور مَرْضِیَّۃً کے مرحلوں کو طے کر کے اپنے آپ کو رضائے الٰہی میں اس درجہ گم کر دیتا ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا سے جدا نہیں رہتی تو پھر اس کی مرضی مولا بن جاتی ہے۔

تحویل قبلہ کے باب میں اپنے محبوب ﷺ کی مرضی کا اشارہ پا کر اللہ رب العزت کی طرف سے ارشاد ہوا۔

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا (البقرہ' ۲: ۱۴۴)	ہم تمہارے لئے اس قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو۔

یعنی ہم تمہاری خواہش کے احترام میں تمہارا رخ اسی سمت کو پھیر دیں گے جس سمت کو تم قبلہ بنانا پسند کرتے ہو اور اس میں ہماری پسند تمہاری پسند کے عین مطابق ہے۔

پھر رب ذوالجلال کی طرف سے نعمتیں اور عطائیں پے در پے اپنے اس مرد کامل کی رضا کے حصول کے لئے اترنے لگتی ہیں اور وقت کے ساتھ اس سلسلے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحٰی' ۹۳: ۵)	ہم تجھے اتنا دیں گے کہ تو اپنے رب سے راضی ہو جائے گا۔

یعنی وہ جس کو اقبال" اپنا مرد مومن تسلیم کرتا ہے اور جس کے مقام رضا کی جو اساس و بنیاد ہے اس کی منتہا نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ مرد مومن اسی کو سامنے رکھ کر اپنی جدوجہد کرتا ہے۔

اس مقام کو پانے کے لئے مرد مومن ایک طویل جدوجہد کا راستہ اختیار کرتا ہے جس میں بہت سے مرحلے آتے ہیں جنہیں اقبال" کبھی آدم خاکی کبھی آدم نوری اور کبھی آدم حقیقی کے عنوان سے تعبیر کرتا ہے۔ جب تک مرد بشری تعینات کے دائرے میں سرگرداں رہتا ہے وہ آدم خاکی کہلاتا ہے لیکن بشریت کے تعینات اور جذبات خاک

سے آزاد ہو کر جس کی طرف اقبالؒ نے یوں اشارہ کیا ہے۔

شہود کیسے ہو حاصل اسے زمانے میں
وجود جس کا نہیں جذب خاک سے آزاد

وہ آدم نوری کا درجہ پالیتا ہے۔ لیکن اس درجے میں بھی وہ اپنے اصل مقام سے دور ہے اس لئے کہ تعینات ملکیت و نورانیت میں گرفتار ہو کر انسان کامل اپنی حقیقی منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کا مقام ان تعینات سے کہیں آگے ہے۔

پھر جب اپنے ارتقائی سفر میں انسان عوالم بشریت و ملکیت کے تعینات سے بلند ہو کر اپنے اصلی وطن کی طرف محو پرواز ہو جاتا ہے تو پھر اس پر اس کی شان مظہریت جلوہ گر ہو جاتی ہے جہاں بشریت و ملکیت کے سارے پردے اٹھ جاتے ہیں اور یہ سارے تعینات اس کے مقام مظہریت کی گرد کو نہیں پہنچتے۔ اس مقام رفیع پر جبرئیل بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اگر برتر من زیں بموئے پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

کہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں تو میرے پر فروغ تجلیات سے جل جائیں۔

انسان کامل جب اس مقام حقیقت پر پہنچتا ہے تو بشریت و ملکیت کے سارے تعینات بہت نیچے رہ جاتے ہیں اور اس کی اصل حقیقت اس پر آشکارا و بے نقاب ہو کر اسے اس وطن حقیقی تک پہنچادیتی ہے جہاں اس کا محبوب حقیقی اسے یوں خطاب کرتا ہے۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم ۵۳: ۸۔۹)	پھر وہ قریب ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب کے درمیان دو قوس کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم

اس مقام پر محب اور محبوب ایک دوسرے کے اتنے قریب آجاتے ہیں کہ ان کے مابین صرف قوسین کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر جب قرب کی اور منزلیں بے نقاب

ہوتی ہیں تو اسے "اَوْ اَدْنٰی" کے مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں۔ جہاں بندے اور محبوب حقیقی کے درمیان سوائے عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے فرق کے اور کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور دوئی و غیریت کے سب پردے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ پھر انسان کامل رب ذوالجلال کی بارگاہ سے خلعت مظہریت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور وہ اپنی شان نیابت و خلافت الٰہیہ کے کمال و عروج پر فائز ہوتا ہے۔

انسان کامل اور نفس کے سات مراحل

قرآن نے اس مقام کے حصول کے لئے سات مرحلے طے کرنا ضروری ولابدی قرار دیا ہے۔ جو بتدریج اس طرح ہیں۔

پہلا مرحلہ

پہلا مرحلہ نفس امارہ ہے جس کے بارے میں قرآن بیان کرتا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ — بے شک یہ نفس برائی کی طرف اکسانے والا ہے۔

(یوسف، ۱۲: ۵۳)

یہ مرحلہ انسانی نفس کی سرشت کا ذکر کرتا ہے جس کے مطابق بدی کی طرف راغب ہونا اس کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے۔

دوسرا مرحلہ

جب انسان ایک قدم اوپر جاتا ہے تو اسے نفس ملہمہ نصیب ہو جاتا ہے جس کا ذکر قرآن میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا — پھر اس کی پرہیزگاری اور بدی اس کے دل میں ڈال دی۔

(الشمس، ۹۱: ۸)

اس مرحلے میں پہنچ کر انسانی نفس کے اندر اچھائی اور برائی دونوں ترغیبات کا شعور پیدا ہو جاتا ہے جبکہ نفس امارہ کے مقام پر اس میں نیکی اور بدی کا امتیاز کرنے کی

صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ اس کا نفس اسے ہمہ وقت بدی کے لئے اکساتا رہتا ہے اور بدی کرنے کی رغبت اس پر اس درجہ سوار ہو جاتی ہے کہ اسے نیکی کی راہ سوجھتی ہی نہیں۔ لیکن اس سے بلند ہو کر جب وہ نفس ملہمہ کے مقام پر آتا ہے تو بدی کی محبت اور شدت کا غلبہ کم ہونے لگتا ہے اور انسان نیکی و بدی میں امتیاز کرنا شروع کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد، ۹۰:۱۰) اور اسے دو ابھری ہوئی چیزوں کی راہ دکھائی۔

اور اس کے اندر بالفعل یہ داعیہ بیدار ہو جاتا ہے جس سے اس کی طبیعت اسے بدی کی طرف راغب ہونے سے منع کرتی ہے اور برائی کی طرف اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ

نفس انسانی پرواز کر کے جب تیسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو اسے نفس لوامہ عطا کر دیا جاتا ہے جو اسے بدی پر لعنت بھیجنے پر آمادہ کرتا ہے اور وہ برائی کرنے سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔ اس مقام پر اسے برائی سے نفرت اور نیکی سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس مرحلے پر بندے کو اللہ کی رضا مرغوب ہو جاتی ہے اور اس کا دل اللہ کے احکام کی پیروی اور تعمیل کے لئے کھینچنے لگتا ہے۔ نیکی سے محبت و رغبت اور برائی سے نفرت و ملامت اس کا شعار حیات بن جاتا ہے۔ نفس لوامہ وہ مرحلہ ہے جس کی رب ذوالجلال خود قسم کھاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامہ، ۷۵:۲) اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔

انسان اس سے آگے پرواز کرتا ہے تو اگلے مرحلے کی طرف بڑھتا ہے۔

چوتھا مرحلہ

اس مرحلے میں انسان کو نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ یہاں

پہنچ کر محبوب حقیقی کی بارگاہ سے اسے ندا آتی ہے۔

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر ۸۹: ۳۰) اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اس پر راضی ہو اور وہ تجھ پر راضی ہو گیا۔

جب وہ نفس لوامہ سے اس مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے تو اسے اس کے اصل وطن کے بارے میں یاد دلایا جاتا ہے جس کی طرف لوٹ آنے کی اسے بار بار دعوت دی جاتی ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ اے بندے جس وطن کی محبت میں تو کھویا رہتا ہے وہ تیرا وطن نہیں بلکہ تیرا وطن تو وہ ہے جہاں تیرے محبوب کا جلوہ حسن ہمہ وقت تیرا منتظر ہے کہ تو آئے اور تجھ پر آشکارا اور بے نقاب ہو جائے۔

پانچواں مرحلہ

اس مرحلے کی طرف پرواز کرتا ہے تو بندے کا نفس نفس راضیہ بن جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ اپنے رب کی طرف لوٹ جاتا ہے جہاں وہ ہر لحظہ اپنے رب سے راضی ہے اور یہ کیفیت اس کے لئے دائمی بنا دی جاتی ہے۔

چھٹا مرحلہ

جب بندے کا نفس ہر لحظہ اپنے رب سے راضی رہنے لگتا ہے تو اس کی راضیہ کی کیفیت کو بدل کر مرضیہ کر دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اے میرے بندے جب تو بندہ ہو کر مجھ سے راضی ہے تو میں رب ہو کر ہر حال میں تجھ سے راضی ہوں اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تو مجھ سے راضی ہو اور میں تجھ سے راضی نہ ہوں۔ یہ مرضیہ کا درجہ نفس انسانی کی پرواز کا چھٹا درجہ ہے جس سے آگے وہ ساتویں اور آخری درجے کی طرف مائل پرواز ہونے لگتا ہے۔

ساتواں مرحلہ

جب بندہ چھٹے درجے سے بلندی کی طرف محو پرواز ہوتا ہے تو رب ذوالجلال کا دست قدرت اسے اٹھا کر نفس کاملہ کے درجے پر فائز کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اسے بارگاہ رب العزت سے یہ مژدہ جانفزا سنادیا جاتا ہے۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ‏ تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا اور

(الفجر' ۸۹:۳۰) ‏ میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہاں ایک لطیف نکتہ قابل توجہ ہے کہ بندہ تو وہ اس وقت بھی تھا جب وہ نفس امارہ کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا اور بدی کی قوتیں اسے ہر وقت اپنی طرف اکساتی رہتی تھیں۔ بندہ تو وہ اس مقام پر بھی ہے۔ پھر بندہ ہونے کے ناطے ان دونوں مقامات میں کیا فرق ہوا۔ ان دونوں مقامات کے درمیان فرق یہ ہے کہ نفس امارہ کے مقام پر وہ بندہ تو تھا لیکن بندہ منتظر تھا اور نفس کاملہ کے مقام پر وہ بندہ تو اب بھی ہے لیکن اس کا مقام بندہ منتظر کا ہو گیا ہے جس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں\
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

پہلے وہ فقط طالب تھا اب مطلوب ہو گیا۔ پہلے محب تھا اور اب محبوب ہو گیا ہے۔ اس طرح پہلے وہ محض مرید تھا اور اب مراد ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں پہلے وہ بندہ ہر گھڑی رب کی تقدیر کو تکتا رہتا تھا کہ کب اس کی نظر رحمت اس کی کایا پلٹ دے۔ اب ہر گھڑی رب کی تقدیر اس کی منتظر ہے کہ وہ بندہ اپنے لب ہلائے اور اس کی تقدیر اس کی مرضی کے مطابق بدل دی جائے۔ مرد مومن کے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے\
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ مقام جہاں خالق تقدیر خود اپنے بندے کے لبوں اور اس کے ارادوں کی جنبش کا منتظر رہتا ہے کہ اس کی تقدیر کا قلم اسی طرف موڑ دیا جائے جو وہ چاہتا ہے' وہ مقام ہے جس کی نشاندہی آقائے دو جہاں نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمائی ہے۔

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ

(الصحیح المسلم باب البر والصلہ' ۴۰:۱۳۰)

کتنے پریشان حال اور گرد سے اٹے ہوئے لوگ ایسے ہیں۔ (کہ تم ان کی ظاہری حالت دیکھ کر انہیں دھتکار دو' لیکن تمہیں خبر نہیں) کہ وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ کی تقدیر ان کے کہے کو پورا کر کے رہتی ہے۔

یعنی اللہ کی غیرت ربوبیت کو یہ گوارا ہی نہیں کہ اس کا بندہ اس کے بھروسے کوئی قسم کھالے اور وہ اس کی قسم کو پورا نہ کرے اور اس کی خواہشات کی تکمیل کو اس کی تقدیر نہ بنا دے۔ اس حدیث مبارکہ کی تفسیر اقبال" اپنے اس شعر میں یوں کرتے ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جب بندہ رب کا ہو جاتا ہے تو وہ خالی بندہ یعنی عبد نہیں رہتا ہے بلکہ عبد ماذون ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اقبال مرد مومن کے روپ میں دیکھتے ہیں کہ تو اس سے مراد وہ مرد مومن نہیں جو محض اقرار و تصدیق سے مرد مومن بنتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ مرد مومن ہے جو ایمان کو اپنے قلب و باطن میں جاگزیں اور متحقق کر کے صاحب ایقان بن جائے یعنی مومن بننے کے لئے فقط اقرار و تصدیق ہی کافی نہیں بلکہ تیقن کا ہونا لازمی و لابدی ہے جس کے بعد عبد ماذون کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ اس عبد ماذون کو اقبال عبدہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ عبد اور عبدہ کا فرق واضح کرنے کے لئے وہ فرماتے ہیں۔

عبد دیگر عبدہ چیز دیگر

این سراپا انتظار او منتظر

یہ اسی آیہ کریمہ کی تفسیر کی ترجمانی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اور ذیل کی آیہ کریمہ میں اسی موضوع کی توضیح ان الفاظ مبارکہ سے کی گئی ہے۔

فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور ۵۲: ۴۸) اے محبوب تو ہر گھڑی ہماری آنکھوں میں رہتا ہے۔

یہ حرف تسلی حضور نبی اکرم ﷺ کے اطمینان خاطر کے لیے دیا گیا کہ اے محبوب ﷺ لوگوں کی ستم رانیوں اور ظلم واذیت سے گھبرانہ جانا اس لیے کہ ہم ہر لحظہ تجھے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ یہی شان محبوبی ہے کہ اگر وہ چادر اوڑھے لیتے تو زبان حق انہیں یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہ کر پکارتی ہے اور اگر وہ ایک چادر ہٹا کر دوسری چادر زیب تن کر لیتے تو یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

یہ مقامات مرد مومن کے ہیں اور اقبال کا مرد مومن جسے وہ عبدہ کہہ کر متعارف کراتا ہے اسی ذیل میں آتے ہیں۔

عبد کی تین قسمیں

عبد یعنی بندے کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عبد آبق (۲) عبد رقیق (۳) عبد ماذون

۱۔ عبد آبق

وہ بندہ جو اپنے مالک کی اطاعت سے بھاگ گیا ہو عبد آبق کہلاتا ہے۔ اس کی ذیل میں وہ لوگ آتے ہیں جو اپنے خالق ومالک کی اطاعت محبت سے روگردانی کر کے معبودان باطلہ کی محبت کے اسیر ہو گئے ہوں اور جھوٹے خداؤں کی پوجا میں مشغول ہوں۔ جھوٹے مفادات نے ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ خالق حقیقی سے منہ موڑ بیٹھے اور صراط مستقیم سے بھٹک کر دور جا نکلے۔

۲۔ عبد رقیق

یہ وہ بندے ہیں جو اللہ کی اطاعت و محبت کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالے رہتے ہیں اور اس کی اطاعت بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتے یہ بندے احکام الٰہی کی پیروی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور یہ خوف ان کے دل میں جاگزیں رہتا ہے کہ کہیں دانستہ یا نادانستہ وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معصیت کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

۳۔ عبد ماذون

یہ بندے اللہ کی عبادت و اطاعت کرتے کرتے خود کو اس درجہ اس کی رضا میں گم کر بیٹھتے ہیں کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' بولنا' سکوت اختیار کرنا اور ان کا جینا مرنا اور ہر ایک فعل اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو اور ان کی زندگیاں حسب ارشاد ربانی۔

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام' ۶: ۱۶۲)	کہہ دیجئے کہ میری نمازیں' میری قربانیاں اور میرا جینا' مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

کی عملی تفسیر بن چکی ہوں۔

عبد ماذون کے زمرے میں وہ بندگان حق آتے ہیں جن کی زندگی کے تمام اعمال و احوال' حرکات و سکنات یہاں تک کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ موت تک اللہ کے لئے وقف ہو اور ان کے نہاں خانہ دل میں کسی غیر کی اطاعت کا خیال بھولے سے بھی جاگزیں نہ ہونے پائے' اپنے اس عبد ماذون کے لئے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ اے میرے بندے میں اب تیری آنکھ ہوں جس سے تو دیکھتا ہے' تیرے کان ہوں جس سے تو سنتا ہے' تیرے ہاتھ ہوں جس سے تو گرفت کرتا ہے' تیرے پاؤں ہوں جس سے

تو چلتا ہے' تیرا دل ہوں جس سے تو ارادہ کرتا ہے۔ اس طرح عبد ماذون اللہ کی زمین پر اللہ کا کامل نمائندہ بن کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔

مرد مومن کے خدوخال کلام اقبال ؒ کی روشنی میں

اقبال ؒ کے مرد مومن کا تصور جب ہم کلام اقبال ؒ کے حوالے سے ذہن نشین کرنا چاہیں تو سب سے پہلی بات جو اس کلام کے مفہوم سے مترشح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اخذ کردہ مرد مومن کے اوصاف کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان اوصاف کا تعین کرنے کے لئے چند عنوانات ضرور گنوائے جا سکتے ہیں جن سے ایک دھندلا سا اجمالی تصور ہماری نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ ہم نے اقبال کے تصور پر نگاہ ڈالنے سے پہلے مرد مومن کا سراپا قرآن مجید کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی تو ہم پر یہ نکتہ کھلا کہ اقبال کا مرد مومن قرآن میں بیان کردہ انسان مرتضیٰ' نفس کاملہ اور عبد ماذون ہی کا متبادل نام ہے اور یہ وہی عبدہ ہے جس کا اجمالی تذکرہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔ اب ہم کلام اقبال کی روشنی میں چند عنوانات قائم کر کے ان اوصاف کو سمجھنے کی سعی کریں گے جن سے اقبال کا مرد مومن آراستہ ہے۔ ان عنوانات کے تحت مرد مومن کے خدوخال کلام اقبال کے آئینے میں یوں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۔ پیکر عشق ۲۔ پیکر یقین ۳۔ پیکر استغناء ۴۔ مقصود کائنات

۵۔ بندہ مولا صفات ۶۔ طائر لاہوتی ۷۔ صاحب تقدیر

مندرجہ بالا عنوانات کے ذیل میں اجمال کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اقبال کے مرد مومن کے یہ مقامات محبت وغلامی رسول ﷺ جسے صوفیاء فنافی الرسول سے تعبیر کرتے ہیں کے مرہون منت ہیں۔ اگر کوئی بندہ اس فنافی الرسول کا کامل نمونہ بن جائے تو وہ اقبال ؒ کا مرد مومن بن جاتا ہے۔

اب ہم مرد مومن کے اوصاف کے باب میں قائم کردہ عنوانات کی تفصیل قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پیکر عشق

اقبال" کا مرد مومن اولاً پیکر عشق ہے یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ عشق روایتی شعراء کا وہ عشق نہیں جس سے ان کا دامن شعروادب سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ یہ تصور عشق جو اقبال" نے پیش کیا ہے ہمارے شعراء کے روایتی تصور سے یکسر مختلف ہے۔ اقبال کے مرد مومن کا عشق صاحب عزم و عمل ہے یہ جہد مسلسل اور حرکت سے عبارت ہے۔ اس عشق کو عقل کے مقابلے میں لایا گیا ہے۔ وہ عقل جو تشکیک اور سوچ وبچار میں مبتلا رہتی جبکہ عشق عزم پیہم اور جہد و عمل مسلسل کی راہوں پر گامزن ہے یہ عشق وہ ہے جو زندگی کو انقلاب آشنا کرتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اقبال" کا مرد مومن پیکر عشق اور عزم و عمل کے قالب میں مطلع شہود پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس تصور کو واضح کرتے ہوئے۔ علامہ عقل و عشق کا موازنہ اس طرح کرتے ہیں۔

عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی

عقل کی ست روی اور سہل انگاری، ابھی جس پیغام کے مفہوم کو سمجھنے میں لگی ہوئی ہے عشق اس پیغام کو عملی جامہ پہنا کر احوال حیات میں انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اقبال کا تصور عشق مسلسل حرکت، تگ ودو اور جہد پیہم کا پیکر اتم ہے۔ اس کا عمل مادی حرص، طمع اور لالچ سے پاک ہو کر فقط رضائے رب کے حصول کے لئے ہے۔ یہ عشق زندگی و حرکت ہے جس کو موت سے کوئی سروکار نہیں۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

اقبال کا مرد مومن کبھی عقل کا غلام اور تابع مہمل نہیں ہو سکتا، اس لئے عقل و عشق کا موازنہ کرتے ہوئے وہ عقل کا نمائندہ بو علی کو اور عشق کا نمائندہ مولانا رومی کو قرار دیتا ہے، دونوں ایک ہی منزل کے حصول کے لئے محو سفر ہیں لیکن فرق یہ ہے۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

نمائندہ عقل ناقہ کے پاؤں سے اٹھنے والی دھول میں گم ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ نمائندہ عشق آگے بڑھ کر محمل پر ہاتھ ڈالتا ہے اور جلوہ محبوب کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ عشق جرات رندانہ کی مالک ہے جب کہ عقل تذبذب کا شکار رہتی ہے۔ اسی بنا پر اقبال مومن اور عشق کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے اور یہ کہ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتا۔

مومن از عشق است عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

عشق کی لغت میں ناممکن کا کوئی لفظ نہیں، جس بات کو عقل ناممکنات میں سے سمجھتی ہے اسے عشق چشم زدن میں ممکن بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے اقبال کے مرد مومن کے نزدیک کائنات کی کوئی شئے ناممکن نہیں اور مرد مومن کی شان یہ ہے کہ وہ پاؤں کی ایک ٹھوکر سے راستے کی تمام رکاوٹوں کو آن واحد میں دور کر دے۔ پہاڑ صحرا اور دریا اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا.
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اقبال" کا مرد مومن وہ ہو ہی نہیں سکتا جو معرکہ حیات میں لرزہ براندام ہو جائے اور ہنگام عمل سے اس کے پائے استقلال میں لغزش آ جائے اقبال کی نظر میں عشق تو وہ ناقابل تسخیر قوت ہے جو غلاموں کو بھی خود آگاہی کی دولت عطا کر کے ان پر

اسرار شہنشاہی آشکارا کردیتی ہے۔

جب عشق سکھاتا آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

پیکر یقین

اقبال کے مرد مومن کا ایک وصف اس کا اپنے اندر ایمان کے بعد ایقان کا پیدا کرنا بلکہ سرتاپا پیکر یقین ہونا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں عشق اس میں حرکت وانقلاب پیدا کرنے کا متقاضی تھا وہاں ہر لحظہ مولا کی یاد میں مگن رہنا بھی اس کا ایک تقاضا تھا۔ قرآن مردان حق کے ذکر الٰہی میں منہمک رہنے کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران ۳: ۱۹۱)
وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حالت میں اللہ کی یاد میں مگن رہتے ہیں۔

محبوب حقیقی سے ان کا تعلق کسی لمحے انہیں یاد الٰہی سے بیگانہ ہونے نہیں دیتا اور ہمہ وقت اس کے ذکر میں مگن رہتے ہیں اس ضمن میں مزید قرآنی ارشادات درج ذیل ہیں

اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ (الکھف ۱۸: ۲۸)
وہ صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت محبوب کے جلوہ حسن کے طلب گار رہتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (الفرقان ۲۵: ۶۴)
وہ ساری رات اپنے رب کی بارگاہ میں رکوع و سجود میں بسر کرتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (النور ۲۴: ۳۷)
ایسے لوگ بھی ہیں کہ تجارت اور خرید وفروخت بھی انہیں یاد الٰہی سے غافل نہیں ہونے دیتی۔

ان آیات کریمہ سے یہ نکتہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ مرد مومن کا شعار یہ

ہے کہ عملی زندگی کے ہنگاموں میں کاروبار حیات کو جاری رکھتے ہوئے وہ یاد الٰہی سے لحظہ بھر غافل نہیں ہوتا۔ وہ پنجابی مثل "ہتھ کار ول تے دل یار ول" کے مصداق اپنا ہاتھ کام اور دل یار یعنی محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول رکھتا ہے۔ کارگاہ حیات میں مصروف رہتے ہوئے بھی اس کا دل "وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا" کا پیکر اتم بنا رہتا ہے۔

دل کو دنیا و ماسوا کی ہر شئے سے منقطع کر کے ذکر و فکر اور محبت الٰہی کا گہوارہ بنا لینا اور ہمہ وقت محبوب حقیقی کی یاد میں مستغرق رہنا مرد مومن کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اس نکتے کی توضیح میں اقبال ایک مقام پر کہتے ہیں کہ مومن کا صاحب ذکر و فکر ہونا فقط زبان سے کافی نہیں بلکہ اس کا صاحب یقین ہونا لازمی ہے۔ یہ ذکر و فکر تبھی سود مند اور بار آور ہو گا جب وہ اس کے ایمان کو ایقان میں بدل دے اور اس کے قلب و باطن کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دے۔ جب اسے یہ مقام حاصل ہو گا تو اس کا ایمان فقط اس کے ظاہر کا ہی نہیں بلکہ اس کے قلب و باطن کا نگہبان بن جائے گا۔ یہ کیفیت بندہ مومن کو ہر قسم کے تزلزل اور اندیشہ ہائے دور و دراز سے محفوظ بنا دے گی اور اس کا ایمان ایقان کا درجہ اختیار کرے گا جیسا کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے کائناتی مشاہدے کے باب میں ارشاد فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام ۶: ۷۵)

ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کی بادشاہتوں کا مشاہدہ اس لئے کرایا کہ وہ صاحب یقین ہو سکیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین کی منزل پر فائز کیا گیا۔ صاحب یقین ہونا دوسرا وصف ہے جو اقبالؒ اپنے مرد مومن میں دیکھنا چاہتا ہے۔

علامہ کے نزدیک یقین اس باطنی کیفیت کا نام ہے جو محال کو ممکن اور ناممکن کو ممکن بنا دے۔ مومن کو جب یقین کی یہ دولت حاصل ہوتی ہے تو بقول اقبالؒ وہ خود تقدیر الٰہی بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے　　خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں　　تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

اقبال" کا مرد مومن مرد حق بھی ہے لیکن یقین کی منزل پر فائز ہونے کی بنا پر اس کا بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ نصرت و تائید الٰہی پر ہوتا ہے وہ بے تیغ بھی باطل سے معرکہ آرا ہو جاتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یقین ایک ایسی قوت ہے جس کی بدولت غلامی کی زنجیریں بھی پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت کو وہ بزبان شعریوں بیان کرتے ہیں۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تقدیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

علامہ ایسے اسلام کو جو دل ونگاہ کی تائید سے محروم ہو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس طرح خالی ذکر و فکر، مراقبے اور حق ہو کی محفلیں کسی کام کی نہیں۔ جب تک یہ کیفیتیں حقیقتوں میں نہیں بدلتیں یہ سب کچھ سعی لاحاصل اور عمل ناشکور ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل　　دل ونگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور　　تری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

مرد مومن وہ ہے جو ان کیفیتوں کو حقیقتوں میں بدل دے اور ذکر و فکر کو اپنی خودی کا نگہباں و پاسبان بنالے۔ جب تک اس کے من کی دنیا نہ بدلے وہ مرد مومن نہیں بن سکتا۔ اس کا حق ھو اور اللہ اللہ کی ضربیں لگانا عبث اور بیکار مشغلہ رہتا ہے جب تک یہ کیفیتیں اس کے دل میں اتر کر اس کی خودی کی محافظ نہیں بن جاتیں۔

۴۔ پیکر استغناء

اقبال" کے مرد مومن کا ایک امتیازی وصف اس کا مستغنی ہونا ہے۔ مومن کو استغناء تب نصیب ہوتا ہے جب کوئی بڑی سے بڑی مادی منفعت اور بڑے سے بڑا عہدہ ومنصب اس کے دل کو نہ للچا سکے اور وہ ہر دنیوی منافع کو پائے حقارت سے ٹھکرا دے۔

استغناء کو علامہ نے اپنے ایک شعر میں معراج مسلمانی سے تعبیر کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

نہ ڈھونڈا اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

اس لئے جب مومن پیکر استغناء بنتا ہے تو مال و دولت دنیا کے بڑے سے بڑے ڈھیر اس کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتے ہیں اور جاہ و منصب کی کوئی پیشکش اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔ محبوب کی محبت مومن کو اسقدر مست و بیخود بنا دیتی اور اسے ایک ایسے سرور و کیف کی کیفیت سے ہمکنار کر دیتی ہے کہ محبوب کی آشنائی اسے ہر شئے سے نا آشنا کر دیتی ہے۔ اس کی محبت اس کی جستجو اور اس کی رضا کی طلب اسے ہر چیز سے اتنا مستغنی کر دیتی ہے کہ وہ ساری کائنات سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ مومن کو جب یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو تمام دنیا اس کی حاجت مند اور دستگیر بن جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا قبلہ حاجات اور آرزوؤں کا مرکز و محور محبوب حقیقی کی ذات ہے اور وہی اس کا ملجا و ماوئی ہے اسی کی رضا کا حصول اس کا مدعائے حیات ہے۔ مومن چونکہ حق کا متلاشی اور اس کی ذات میں محو ہے ساری کائنات اس کی جستجو میں محو ہو جاتی ہے۔ کافر اور مومن کا موازنہ کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

علامات کفر و ایمان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ کافر دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے جبکہ دنیا مومن کے پیچھے بھاگتی ہے۔ مقام تاسف ہے کہ اقبال ؒ کے مرد مومن کے تصور کو ہم سمجھ نہیں پائے۔ اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں اپنی زندگیاں گہرے تضاد اور نفاق کا شکار نظر آئیں گی۔ ہمارے خلوت و جلوت کے انداز مختلف ہیں۔ مرد مومن بننا تو بہت دور کی بات ہے۔

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

مسلمانی کی بات کرنا تو آسان ہے لیکن اس کے تقاضے بجالانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

ہم ہوس کے بندے چند سکوں اور معمولی مادی منفعت کے لئے اپنا ضمیر اور ایمان بیچ کر بزعم خویش عزت خریدتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی عزت دنیاوی حاکموں اور امراء کے پیچھے مارے مارے پھرنے سے نہیں بلکہ ان سے بے نیاز ہو کر بارگاہ رب العزت میں سرنیاز جھکانے سے ملتی ہے۔ اس حقیقت کو علامہ یوں بیان کرتے ہیں۔

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اقبال کے مرد مومن کی شان تو یہ ہے۔

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک

یہ جہان رنگ و بو بندہ مومن کی میراث ہے۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث **لولاک لما خلقت الافلاک** کی رو سے باعث تخلیق کائنات ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے محبوب اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں اور زمین کو پیدا ہی نہ کرتا۔ یہ نکتہ لولاک اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جہان مرد مومن کی جولان گاہ ہے۔

۴۔ مقصود کائنات

جب اقبال ساری کائنات کو مرد مومن کی میراث قرار دیتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ اس کا۔ پھر ساری کائنات اس مرد مومن کو اپنا مرکز و محور بنا لیتی ہے۔ آفاق اس کی ذات میں گم ہو جاتے ہیں۔ کائنات کی ہر شے مومن کی متلاشی ہو جاتی ہے اور مومن اللہ کی رضا کا متلاشی ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

من اطاع اللہ فقد اطاع کل شئی — جو اللہ کا مطیع ہو جاتا ہے کائنات کی ہر

شے اس کی مطیع ہو جاتی ہے۔

اقبال اس مرد مومن کا شدت سے منتظر ہے جس کا وجود اطاعت الٰہی کے تمام امتحانوں سے سرخ رو ہو کر اس مقام تک آ پہنچا ہے جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں۔

اے سوار اشہب دوران بیا اے فروغ دیدہ امکاں بیا
رونق ہنگامہ ایجاد شو در سواد دیدہا آباد شو
باز درعالم بیار ایام صلح جنگجویاں را بدہ پیغام صلح
شورش اقوام را خاموش کن نغمہ خود را بہشت گوش کن
از وجود تو سر افرازیم ما پس بہ سوز ایں جہاں سازیم ما

اقبال ؒ ہمیشہ اس بات کی تبلیغ کرتے نظر آئے انہوں نے اپنے فکر و فلسفہ کے ذریعے اس نکتے کو واضح کیا کہ صاحب ایمان و ایقان بندہ مقصود ایک دن ضرور منصہ شہود پر جلوہ گر ہو کر اس کائنات کو انقلاب آشنا کر دے گا۔ ان کی پیش گوئی کے مطابق یہ خاکی نہاد انسان خودی سے بہرہ ور ہو کر ایک دن فرشتوں سے بھی بڑھ جائے گا۔ فرماتے ہیں۔

فروغ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے
زمین از کوکب تقدیر ما گردوں شود روزے
یکے در معنی آدم نگر از من چہ مے پرسی
ہنوز اندر طبیعت مے خلد موزوں شود روزے

۵۔ بندہ مولا صفات

اقبال کے مرد مومن کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ بارگاہ ایزدی میں مظہریت حق سے سرفراز کیا جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو رضائے مولا میں گم کر دیتا ہے اور اس کی طلب میں اپنی تمام خواہشات کو مٹا دیتا ہے تو پھر وہ صبغۃ اللہ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور اللہ رب العزت کا صفاتی رنگ اس پر اس قدر چڑھ جاتا ہے کہ رہتا تو وہ عبد

ہی ہے لیکن اس کی ماہیت بدل جاتی ہے اور وہ بندہ مولا صفات بن جاتا ہے۔ رب کریم کی شان کریمی اسے اپنے جلو میں لے لیتی ہے اور جو بھی اس کے قریب آتا ہے وہ صبغۃ اللہ میں رنگا جاتا ہے۔

بندہ مولا صفات کو اوصاف و کمالات الٰہیہ کا تغلب نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کی رافت و رحمت اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اسے شان مظہریت سے نوازا جاتا ہے۔

مومن کے بندہ مولا صفات ہونے کے تصور کو اقبالؔ ان اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں' کارکشا' کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندہ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پرکار حق مرد مومن کا یقیں — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ — حلقہ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

بندہ رب ذوالجلال کے صفاتی جلوؤں سے سیراب ہو کر شان مظہریت کا حامل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بندہ رہتے ہوئے بھی دلیل حق بن جاتا ہے۔ اور جس طرح اللہ رب العزت کی شان صفت سورہ رحمٰن **کل یوم ھو فی شان** یہ ہے کہ وہ ہر دن ہر لحظہ نت نئی شان سے آشکارا ہوتا ہے اور اس کی عظمت کے نئے جلوے منظر عام پر آتے ہیں بعینہ یہی کیفیت بندہ مولا صفات کی مقام عبدیت پر ہوتی ہے۔ اقبال اس بندہ مولا صفات مرد مومن کے بارے میں اس مقام پر یوں کہتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان — کردار میں' گفتار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری' قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

جب اوصاف و کمالات الٰہیہ کا رنگ بدرجہ اتم پیکر عبدیت میں اتر آتا ہے اور وہ تا حد کمال صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ تو پھر یہ مظہریت کبھی اس کے اسماء میں کبھی

اس کے افعال میں اور کبھی اس کے عطاء کردہ علم الٰہی میں جھلکنے لگتی ہے۔ اس مقام پر وہ بندہ مولاصفات کاملیت کے نقطہ آخری کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس کے قول کو اپنا قول قرار دیتے ہیں۔ جیساکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى — یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا جو کچھ بولتا ہے وہ تو رب کا کلام ہوتا ہے۔ (النجم' ۵۳: ۳-۴)

جب بندہ مولاصفات ارتقاء کے نقطہ منتہا کو پہنچتا ہے جو مقام بندگی کا آخری نقطہ ہے جس سے آگے انسانی کمال نہیں بڑھ سکتا تو پھر اس کے فعل کو اللہ اپنا فعل قرار دے دیتا ہے۔ انسان کامل اس آخری نقطہ کو چھوتا ہے۔ تو صدائے ایزدی آتی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى — (اے محبوب) یہ کنکریاں جو تو نے ماریں تو نے نہیں ماریں بلکہ یہ تو اللہ نے ماری ہیں۔ (الانفال' ۸: ۱۷)

اسی مقام کے بارے میں اقبال" کہتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان

یہ صفت لاھوتی ہے کہ بندہ مقصود کائنات رہتا تو عالم ناسوت میں ہے لیکن صفت عالم لاھوت کی رکھتا ہے۔

ہم سایہ جبریل امین اس کے ارادے
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

پھر بندہ مومن ذات وصفات میں جغرافیائی حدود وقیود سے ماوراء ہو جاتا ہے۔ مشرق ومغرب' شمال وجنوب کی جہتوں سے بلند ہو کر وہ تعینات بشریت سے باہر نکل جاتا ہے۔ پھر تعینات ملکیت سے بھی باہر نکلتا ہے تو سب حجابات اس پر سے اٹھا لئے جاتے ہیں۔ جغرافیائی حدود وقیود اور بشریت وملکیت کے تعینات سے آزاد ہو کر جب

بندہ مولا صفات آفاقی ولاہوتی ہو جاتا ہے تو علامہ فرماتے ہیں۔

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمٰن

یعنی وہ بندہ مولا صفات سورہ رحمٰن کے مضمون کی علمی تصویر بن جاتا ہے۔ اس مقام پر وہ اپنے مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لئے کبھی سراپا ترحم اور کبھی سراپا شدت بن جاتا ہے اس صفت کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ علامہ کا یہ شعر اس کی صورتگری کرتا نظر آتا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

طائر لاہوت

مرد مومن کا چھٹا وصف وہ ہے جسے علامہ" نے اپنے کلام میں طائر لاہوت سے تعبیر کیا ہے۔ وہ اسے اس کا مقام یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جب بندہ مومن جذب خاک سے آزاد ہو کر عالم بشریت اور عالم ملکیت کے تمام پردے چاک کر دیتا ہے تو عالم مکاں کی حدود سے باہر ہو کر عالم لامکاں کا مسافر بن جاتا ہے۔ وہ مرد مومن سے خطاب کرتے ہوئے اس پر اس کی اصل حقیقت آشکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تو اے اسیر مکاں' لامکاں سے دور نہیں — وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور نہیں
فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے — قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

اقبال" اس نکتے کو واشگاف کرتا ہے کہ طائر لاہوت رہتا تو عالم خاک ہی میں ہے مگر اس کی پرواز کی جولانیاں عالم لاہوت میں ہوتی ہیں۔ وہ خود فرش خاکی پر ہے

لیکن اس کے تذکرے افلاک و عرش پر ہوتے ہیں۔ درج ذیل اشعار ہیں۔ طائر لاہوتی کے اس مقام کو واضح کیا گیا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش — خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں — جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن — حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

ایک دلچسپ بصیرت افروز تاریخی واقعہ

اس مقام پر ایک تاریخی واقعہ کا تذکرہ بے محل اور خالی از حکمت نہ ہو گا۔ اس واقعہ کو تاریخ اسلام کے مصنفین نے فتوحات شام کے باب میں نقل کیا ہے۔ معرکہ جہاد میں شامل دو نوجوان عیسائیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ وہ انہیں گرفتار کر کے اپنے باشاہ کے پاس لے گئے جس نے انہیں عیسائی بنانا چاہا۔ انکار پر ایک کو ابلتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں ڈال کر شہید کر دیا گیا۔ دوسرے کے مذہب کو بدلنے کی ذمہ داری ایک حسین و جمیل شہزادی کی لگائی گئی جس نے اس مہم کے لئے چالیس دن مہلت مانگی۔ ان چالیس دنوں میں اس حور شمائل پری پیکر نے اس سے جو کچھ ہو سکا کیا لیکن اس مرد مومن نے اس پر ایک نگاہ بھی نہ ڈالی۔ چالیس دن کی محنت اکارت گئی تو وہ قتالہ عالم جسے اپنے زہر شکن حسن پر بہت ناز تھا نوجوان سے مخاطب ہو کر اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔ اے بندہ خدا فقط اتنا بتا دے کہ تجھے حسن ارضی کی کس شئے نے اپنا اسیر کر رکھا ہے جبکہ میرا دعویٰ ہے کہ میرے حسن و جمال کے آگے تو آج تک کوئی پارسا ٹھہر نہیں سکا۔ اس نوجوان نے کہا:

غرور حسن سے معمور شہزادی تو کیا بات کرتی ہے۔ جو مکین گنبد خضرا کے حسن کی ایک جھلک دیکھ چکا ہو اس کے سامنے تیرا حسن و جمال کیا حقیقت رکھتا ہے۔ وہ نگاہیں جو اس حسن ابدی پر مو تکز ہو چکی ہیں وہ کسی حسن ارضی کو کیا خاطر میں لائیں

گی۔ جس کے دل میں اس محبوب کے جلوے گھر کر چکے ہوں وہ کسی اور دنیوی محبوب کی طرف کیا ملتفت ہو گا۔ تاریخ میں مذکورہ ہے کہ وہ شہزادی جو اسے عیسائی بنانے آئی تھی خود اس مرد حق پرست کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی۔ اقبالؒ نے جب یہ شعر کہا۔

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

تو ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہی واقعہ گردش کر رہا ہو۔

۷۔ صاحب تقدیر

آخری صفت جو اقبال نے مرد مومن کے باب میں بیان کی وہ تقدیر سے متعلق ہے۔ جب بندہ حقیقی معنوں میں مومن بن جاتا ہے تو پھر اسے اذن الٰہی سے اس کائنات رنگ و بو کی پنہائیوں پر تصرف عطا کر دیا جاتا ہے وہ بندہ اللہ کی تقدیر پر ایسا شاکر اور راضی برضا بن جاتا ہے کہ اسے صاحب تقدیر کر دیا جاتا ہے۔

جب اقبالؒ اس صورت حال کے برعکس اپنے گردوپیش بے حسی اور جمود کی زندگی پر شاکر مسلمان کی طرف دیکھتے ہیں تو بے اختیار ان کی نوک زبان سے یہ اشعار نکلنے لگتے ہیں۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے خودی تری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

وہ آج کے مسلمان کی زبوں حالی اور بے عملی دیکھ کر کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تو راضی بہ تقدیر کیوں ہو گیا۔ تو تو خیر امت میں ہے اور ایسی تقدیر لے کے آیا ہے جو دوسروں کی تقدیریں بدلنے والا ہے۔ اقبالؒ اسی راہ کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اقبال عصر حاضر کے مسلمان کو متنبہ کرتے ہیں کہ جب تک تیری آرزوؤں کا مرکز غیر رہے گا تیری دعاؤں سے قضائیں نہیں بدل سکتیں۔ ہاں جب تیری آرزو کا رخ بدل جائے گا تو پھر تیری آرزو کے ساتھ قضائیں بدلتی جائیں گی اور تیری نگاہ جدھر اٹھے گی تقدیریں بدلنے کا باعث بنے گی اسی لئے وہ کہتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس منزل تک پہنچنے کے لئے وہ بندہ مومن کے لئے خودی کی بیداری کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جب تک وہ اس مقام کو حاصل نہیں کرے گا۔ حقیقی زندگی کے دروازے اس پر نہیں کھلیں گے۔ اسی لئے فرمایا۔

بر مقام خود رسیدن زندگی
خویش را بے پردہ دیدن زندگی

جب بندہ مومن اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کی آرزو سے قضائیں بدلنے لگیں تو پھر اقبالؒ اس کی نسبت استفسار کرتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس شعر میں مرد مومن کی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے اس خیال کی نفی کی گئی ہے کہ وہ محروم' بے کس و بے بس ہے۔ یہ محرومی' بے کسی و بے بسی اس وقت تک تھی جب تک وہ تعین ذات کا اسیر تھا' جب وہ اس سے آزاد ہو گیا تو وہ اپنی رضا کو بدل کر رضائے مولا میں گم ہو گیا۔ اب وہ فقط بندہ نہ رہا بلکہ اللہ کا بندہ اور بندہ مولا صفات ہو گیا پھر اس کی آرزو بدل گئی اور اس کی نگاہوں سے تقدیریں بدلنے لگیں۔ وہ بندہ مولا صفات جس کی نگاہوں سے تقدیر بدل جائے اس کے دست و بازو کی قوت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اس مقام پر اقبال پکار اٹھتے ہیں۔

ولایت بادشاہی' علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں' فقط اک نکتے ایمان کی تفسیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اقبال" نے مرد مومن کی قوت کے بارے میں جو سوال کیا تھا اور جس کا جواب ہماری طرف سے نفی میں تھا اب وہ اس سوال کا جواب خود اس شعر میں دیتے ہیں۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے مسلم کہ مغلوب گماں تو ہے

وہ کہتے ہیں کہ اے عصر حاضر کے مسلمان تو اپنی حقیقت سے خود آگاہ نہیں اور تو اپنی حقیقت کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں ہے اور پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ تو باہر دیکھنے کی بجائے اپنے اندر جھانک تو سہی تجھ پر سربستہ راز خود بخود آشکارا ہو جائیں گے فرماتے ہیں۔

کرا جوئی، چرا در پیچ و تابی
که او پیدا است تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نه بینی
تلاش خود کنی جز او نیابی

تو کسے تلاش کر رہا ہے اور یہ پیچ و تاب کھانا چہ معنی دارد جسے تو تلاش کر رہا ہے وہ تو ظاہر اور آشکار ہے۔ یہ تو تو خود ہے جو زیر نقاب ہے، اگر تو اس کی تلاش کو نکلے گا تو اپنے سوا اور کسی کو نہ پائے گا اور جب تو خود کو تلاش کرے گا تو ہر قدم پر اسے ہی اپنے سامنے پائے گا۔ اس لئے اسے باہر تلاش کرنے کی بجائے اپنے اندر تلاش کر اور یوں

"اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی"

گوہر مقصود حاصل کرے۔

فرمودہ اقبال اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتے کو یوں ارشاد فرمایا:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ — جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پالیا۔

اس لئے اقبال مسلمان کی منزل کا تعین کرتے ہوئے اس حقیقت کی نشاندہی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مرد مومن بننے کا گر

مرد مومن پر کلام اقبال کی روشنی میں اس سیر حاصل بحث کے بعد یہ سوال ذہن میں سر اٹھاتا ہے کہ مرد مومن کا یہ مقام کس طرح نصیب ہو سکتا ہے اور وہ کونسا راستہ ہے جس پر چل کر یہ منزل حاصل ہو سکتی ہے۔ اس سوال کا جواب کسی اور سے پوچھنے کی بجائے ہم خود اقبال" سے پوچھتے ہیں کہ ہمیں بتا تیرا مرد مومن کس طرح بنتا ہے! اے اقبال تو ہمیں یہ بھی بتا کہ تجھے حکیم الامت بننے کا یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔ اس کا جواب اقبال کی زبان نے یہ دیا۔

میں نے ایک کروڑ بار آقائے دوجہاں ﷺ کی ذات اقدس پر درود پڑھا ہے۔ حکیم الامت بنا چاہتے ہو تو تم بھی پڑھ لو۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ کروڑ بار درود پڑھنا ہماری طرح تسبیح کو گردش دینا نہیں۔ بس تسبیح کے دانے رولتے رہے اور بزعم خویش یہ سمجھنے لگے کہ شاید درود پڑھنے کا حق ادا ہو گیا ہ۔ اپنے درود پڑھنے کی کیفیات کو خود اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

میں جب اپنے آقا و مولا ﷺ پر درود پڑھتا ہوں تو مارے شرم وندامت

کے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں غرق ہو کر درود پڑھنا' درود پڑھنا کہلاتا ہے اگر کوئی اس طرح درود پڑھنا اپنا شعار بنائے تو پھر اس کے بندہ مومن بننے میں دیر نہیں لگتی۔

اقبالؒ نے مرد مومن بننے کا ایک اور نسخہ بھی تجویز کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحروبر در گوشہ دامان اوست

اقبالؒ نے عشق مصطفیٰ ﷺ کو جب اپنا زاد راہ بنالیا اور خود کو ان کی غلامی اور محبت میں فنا کر دیا تو اس کی نظر جدھر اٹھی اسے اول تا آخر انہی کی ذات کے جلوے نظر آئے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسین' وہی طٰہٰ

حضور ﷺ کی محبت میں اسے وہ نشاط آگیں کیفیت حاصل ہو گئی کہ بے اختیار اس کی زبان سے یہ شعر نکلا۔

خاک یثرب از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دل براست

محبت رسول ﷺ وہ کیمیا ہے جس میں فنا ہو کر انسان کو سوائے محبوب کے جلوؤں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جس طرف دیکھتا ہے وہ اپنے سامنے نور مصطفوی ﷺ کے جلوؤں کو بے نقاب پاتا ہے اور وہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا ہم نوا ہو کر پکارنے لگتا ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ست